بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

افسوس ہے پچھلے دنوں دارالعلوم دیوبند کے نہایت لائق و فائق اور مشہور استاذ مولانا بشیر احمد خاں صاحب کا اچانک انتقال ہوگیا۔ مولانا ریاضیات اور ہیئت میں برصغیر ہند و پاک کے علماء میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اس کے علاوہ فقہ اور حدیث میں بھی اُن کی نظر وسیع تھی، چنانچہ دارالعلوم دیوبند میں ان فنون کی اونچی کتابیں اُن کے زیر درس رہتی تھیں اور کبھی کسی طالب علم نے اپنی بے اطمینانی کا اظہار نہیں کیا۔ علوم و فنون میں اس درجہ مہارت اور اُن میں شغف کے ساتھ مولانا میں نظم و نسق اور دنیوی معاملات و مسائل کو سمجھنے اور اُن کے حل کرنے کی صلاحیت بھی بدرجۂ اتم تھی۔ اسی بنا پر چند ماہ ہوئے اُن کا انتخاب نائب مہتمم کے عہدہ کے لئے ہوا تھا۔ عمر اگرچہ ستر کے لگ بھگ تھی، لیکن قویٰ مضبوط اور عام تندرستی بہت اچھی تھی، ۱۲ اگست کو مجلس عاملہ کی میٹنگ میں وہ شروع سے آخر تک شریک رہے اور اُس کا کبھی وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ دو دن کے بعد ہی مولانا یک بیک راہی عالم بقا ہو جائیں گے۔ یوں بھی عابد مرتاض اور خندہ جبین و خوش اخلاق تھے، اللہ تعالیٰ مغفرت و بخشش کی نوازشوں سے نوازے اور اُن کے درجات اونچے کرے۔ آمین۔

ابھی گذشتہ مہینہ ہمارے ایک امریکن نو مسلم دوست پروفیسر عبدالرحمٰن بارکر پاکستان میں ایک ماہ قیام کرنے کے بعد ہندوستان آئے اور ہم سے علی گڑھ میں اُن کی ملاقات اور گفتگو ہوئی تو اُن سے یہ معلوم کر کے بڑا صدمہ ہوا کہ تلک کی منحوس رسم یعنی لڑکی والوں سے روپیہ کا بھاؤ تاؤ کر کے شادی کرنا، آج کل پاکستان میں بھی بہت زور شور سے جاری ہے اور طبعی طور پر اس کا جو نتیجہ ہونا چاہئے وہ وہاں کی سماج میں نظر آ رہا ہے، اس قسم کی شادی میں لڑکے اور

اُس کے والدین کے پیشِ نظر صرف روپیہ ہوتا ہے۔ اُنھیں اس سے بحث نہیں ہوتی کہ لڑکی کیسی ہے؟ کس ماحول میں اُس کی تربیت ہوئی ہے؟ دینداری میں اُس کا کیا مقام ہے؟ حسن و جمال اور صحت و تندرستی کے لحاظ سے اُس کی پوزیشن کیا ہے؟ طبیعت۔ مذاق۔ اور اخلاق و عادات کے اعتبار سے دونوں میں نباہ ہو سکے گا یا نہیں؟ اس کے بالمقابل لڑکی کے والد یا جو بھی اُس کا سرپرست ہو۔ اگر مالدار ہے تو وہ اپنی دولت کے بل بوتہ پر صرف اس بات کو دیکھے گا کہ لڑکا کوئی اعلیٰ سرکاری عہدہ دار ہو یا کسی اور شعبہ میں ہو مگر معقول تنخواہ یا بزنس رکھتا ہو۔ اس کے علاوہ وہ کون ہے؟ اور کیسا ہے؟ اس سے کوئی بحث نہیں ہوتی۔ اس قسم کی اصل بے جوڑ شادیوں کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ناکام رہتی ہیں۔ اور لڑکے کو جو روپیہ بہ طور اپنی قیمت کے ملتا ہے، وہ اُسی روپیہ سے عیاشی شروع کر دیتا ہے۔ یا اسے چھوڑ دوسری شادی کر لیتا ہے بہر صورت دونوں کی زندگی تباہ و برباد ہوتی ہے اور دوسری جانب اس رسمِ بد کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کتنی ہی تعلیم یافتہ، سلیقہ مند اور خوبصورت لڑکیاں ہیں جو بن بیاہی صرف اس جُرم میں رہ جاتی ہیں کہ اُن کے والدین غربت اور قلتِ آمدنی کے باعث شادی کے بازار میں اُن کے لئے کوئی شوہر نہیں خرید سکتے۔ پروفیسر بارکر نے ایک ماہ کے قیام میں اس منحوس رسم کے جو بعض مناظر اور اثرات اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں وہ انھیں بڑے غم و غصہ کے ساتھ بیان کرتے جاتے اور بار بار پوچھتے جاتے تھے "کیا یہ اسلام ہے؟" خدا کے لئے مجھے بتائیے کیا اس معاشرہ کو آپ اسلامی معاشرہ کہیں گے؟ یورپ اور امریکہ کو آپ لوگ کیا کچھ نہیں کہتے! لیکن کیا وہاں اس رسم کا کہیں نام و نشان بھی موجود ہے" وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر مسلمان بالکل ہی بے حس ہو گئے ہیں تو بات دوسری ہے ورنہ اگر اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی ادنیٰ سا تعلق بھی باقی ہے تو انھیں محسوس کرنا چاہئے کہ جس سماج میں یہ لعنت عام ہو جائے وہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اسلامی ہرگز نہیں ہو سکتا اور چونکہ اسلام دینِ فطرت ہے اس بنا پر یہ سماج آج نہیں تو کل ایک نہ ایک دن عذابِ الٰہی سے ضرور دوچار ہوگا! اسلام میں عورت کے لئے جو مہر رکھا گیا ہے جس کے بغیر نکاح ہوتا ہی نہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ جہاں تک روپیہ کا تعلق ہے اُس کا دینا مرد کا اور اُس کا لینا عورت کا کام ہے اور دونوں کی صنفی خصوصیات کے پیشِ نظر یہی دراصل عین تقاضائے فطرت ہے۔ اب اگر کہیں معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے اور وہ بھی اس ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ تو ظاہر ہے۔ یہ سرتاسر خلافِ فطرت ہوگا اور ہر وہ عمل جو خلافِ فطرت ہو

اُس کی پاداش ناگزیر ہے :

" عذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں "

یہ صورتِ حال پاکستان کے ساتھ مخصوص نہیں یہاں بھی بنگال اور بہار تو پہلے سے ہی اس عذابِ الیم میں مبتلا تھے جس کے خلاف راقم نے بزمانۂ قیامِ کلکتہ۔ بُرہان کے انھیں صفحات پر ایک مہم شروع کی تھی اور جس کے کچھ خوشگوار اثرات بھی اُس زمانہ میں مشاہدہ میں آئے تھے۔ اب اترپردیش میں بھی کم وبیش یہی فضا قائم ہوتی جارہی ہے مشکل یہ ہے کہ مسلمانوں کی اصلاحِ معاشرت کا کام صوفیا ومشائخِ کرام کرتے تھے جن کی خانقاہیں ہوتی تھیں اور ہزاروں مسلمان اُن کے دامانِ عقیدت وارادت سے وابستہ ہوتے تھے یا یہ کام وہ علما کرتے تھے جو کم ازکم جمعہ جمعہ وعظ کہتے تھے۔ عوام سے ربط رکھتے تھے اُن کی نجی مجلسیں بھی وعظ وتذکیر کے لئے وقف ہوتی تھی اور اُن کی گفتگو بھی قال اللہ اور قال الرسولؐ سے خالی نہیں ہوتی، اب زمانہ نے ان سب روایاتِ دیرینہ کی بساط اُلٹ دی ہے۔ اوّل خانقاہیں ہی بھی تو خال خال، اور جتنی ہیں بھی اُن میں وعظ وتذکیر، اصلاح وتذکیہ کا کتنا اہتمام ہوتا ہے ؟ رہے علمائے کرام تو اب انھوں نے بھی اپنی وضع بدل دی ہے۔ جو اصحابِ درس وتدریس ہیں وہ مدرسوں سے باہر کی دنیا سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔ جو پبلک میں کام کرتے ہیں اُن کا میدان یا سیاست ہے، یا عیدِ میلاد کے جلسوں اور کانفرنسوں میں گرانقدر نذرانے لے کر شریک ہونا اور تقریریں کرنا ! رہا سماج ! تو اگر وہ غیر اسلامی اعمال وافعال کی کثرت سے برباد ہوتا ہے تو ہو ! اُس کا درد وکرب کسی میں نہیں ! انجمنیں ہیں اور ادارے ہیں ہر کام اور ہر مقصد کے لئے ! لیکن خالص معاشرتی اور سماجی اصلاح کے لئے کتنی انجمنیں اور کتنی تنظیمات ہیں ؟ یہاں اور وہاں ؟ اور وہ کیا کام کررہی ہیں ؟ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ۔

" اعتذار "

مدیرِ محترم جناب مولانا سعید احمد صاحب، اِن دنوں مصر تشریف لے گئے ہیں، اس لئے تبصرے شائع نہیں کئے جا سکے۔

(منیجر)